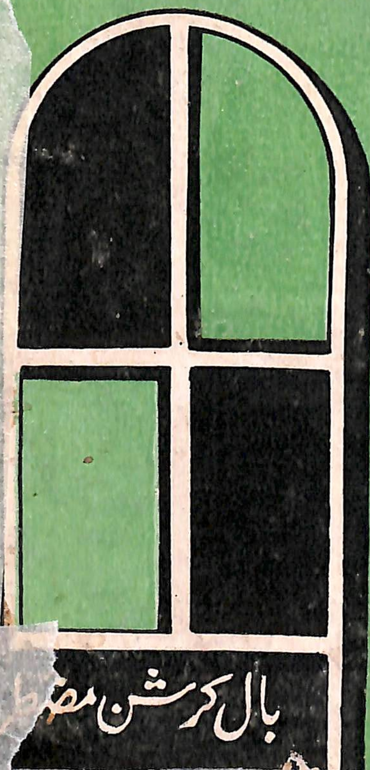
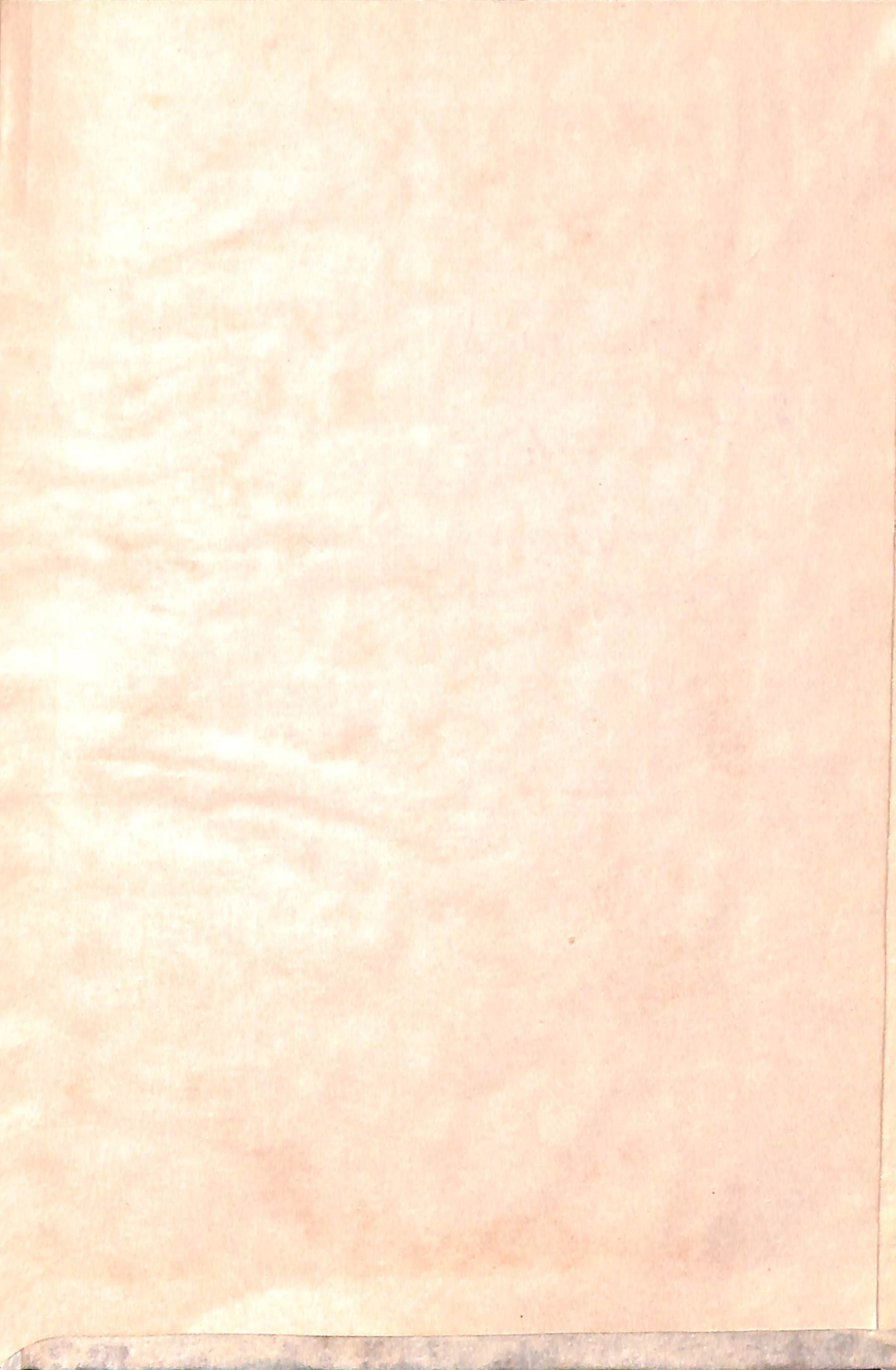



بال کرشن مضطر



شامِ میکدہ

غزلیات

بال کرشن مُضطر
راج محل کورو کشیتر

تاریخ اشاعت فروری ۱۹۷۶ء

تعداد ایک ہزار

قیمت تین روپے

طباعت جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۱۰۰۰۶

کتابت رام نرائن مستانہ پانی پت

تقسیم کار

سنگم کتاب گھر جامعہ نگر نئی دِلّی ۱۱۰۰۲۵



بال کرشن مضطر

نام ۔ بال کرشن مضطرؔ

والد بزرگوار ۔ پنڈت راجہ رام بھاردواج

پیدائش ۔ ۲؍ اکتوبر ۱۹۲۱ء

مقام ۔ راج محل ۔ کوروکشیتر

تعلیم و تربیت ۔ لاہور ۔ دہلی

شغل ۔ اُردو، سنسکرت، ہندی و انگریزی کے تاریخی، ادبی، سماجی اور سیاسی ادب کا مطالعہ اور کھیتی باڑی ؛

۱۹۳۸ء میں حصولِ تعلیم کے لیئے لاہور گیا، اُردو کے مشہور طنز و مزاح نگار جناب پرنسپل کنہیا لال کپور کے فیض سے نظم و نثر کے مطالعہ و لکھنے کا شوق پیدا ہوا، جو کچھ بھی نظم و نثر مجھے آتی ہے وہ اُردو ادب کی برگزیدہ اور صاحبِ قلم ہستیوں شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر اقبال، علامہ تاجور نجیب آبادی، مولانا عبدالمجید سالک، مولانا صلاح الدین احمد ایڈیٹر ادبی دنیا، جناب میراجی، ڈاکٹر تاثیر، جناب فیض احمد فیض، جناب یوسف ظفر، جناب قیوم نظر، جناب شورش کاشمیری، جناب بیخود دہلوی، جناب حمید دہلوی، علامہ کیفی، جناب جگر مراد آبادی، جناب امن لکھنوی، جناب منور لکھنوی، جناب گوپال متّل، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، جناب عبادت بریلوی، جناب پریم ناتھ در، جناب نریش کمار شاد، جناب خموش سرحدی، جناب طالب پانی پتی، جناب آفتاب پانی پتی، جناب روشن پانی پتی کا کرم، فیض اور بخشیش ہے ؛

ان بزرگوں کی قربت، محنت اور مشورہ نیز حلقہ اربابِ ذوق وائی، ایم سی اے لاہور کی رکنیت نے میرا فنی شعور سنوارا اور نکھارا، آل انڈیا ریڈیو لاہور اور دہلی میں سکرپٹ رائیٹر رہا، ادبی رسائل راہی، ایشیا، منزل، دستک، نیا مارگ، بزمِ خیال کی ادارت کی اور آج کل چٹان نکال رہا ہوں، ۱۹۳۶ء سے سیاست میں حصّہ لینا شروع کیا، ہائی سکول سے نکالا گیا، ۱۹۳۸ء میں کمیونسٹوں

کے اثر میں آیا، کمیونسٹ نواز پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کا سرگرم رکن رہا، مگر ۱۹۴۱ء میں "جنتا کی جنگ" کے سوال پر کمیونسٹوں سے الگاؤ ہو گیا، ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۳ء تک کانگرس سوشلسٹ پارٹی کا سرگرم رکن و عہدیدار رہا، گرفتاری و جیل کا سلسلہ ۱۹۴۰ء سے شروع ہوا اور آج دن تک جاری ہے، تقسیم وطن کے وقت پنجاب سٹوڈنٹس کانگرس کا صدر اور آل انڈیا سٹوڈنٹس کانگرس کا جائنٹ سیکرٹری رہا، سرگرم اور عملی سیاست کے دور میں سبھاش چندر بوس، پنڈت جواہر لال نہرو، بیرسٹر آصف علی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، منشی احمد دین، امر دولا بہن سارا بھائی، آچاریہ نریندر دیو، یوسف مہر علی، مینو مسانی، جے پرکاش نارائن اور ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کے ہمراہ ایک ماہ سے لیکر تین سال تک بہت قریب رہا، زندگی کا بیشتر حصہ پنجاب و دہلی میں گزرا، زندگی ہمیشہ ہنگاموں سے بھرپور رہی اور ہے، زہر کو قند کہنا، چمچاگری کرنا، درباری بننا اور بندہ کو خدا کہنا کبھی نہ آیا، غلط آدمی، غلط اصول اور غلط بات طبیعت کو راس نہیں، موج خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے، مگر حق گوئی و بیباکی مسلک ہے، زندگی بھر اسی عادت کی قیمت چکاتا رہا ہوں، سینکڑوں دشمن بنا کر پھونک دیئے، نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا، آئینہ سے ڈرتا ہوں کیونکہ مردم گزیدہ ہوں، مذہبی دنیا میں بھگوان کرشن، حضرت عیسیٰ مسیح، امام حسین، گورو گوبند سنگھ اور رام کرشن پرمہنس کا پرستار ہوں، تقریباً ایک درجن کتب کا مصنف ہوں، میونسپل کمیٹی تھانیسر کوروکشیتر کا ممبر، وائس پریذیڈنٹ و پریذیڈنٹ رہا، ایک غیر شاعرانہ، غیر ادبی، غیر سیاسی، غیر سماجی، غیر مذہبی لوگوں کے نہایت پسماندہ شہر کے دم گھونٹ ماحول میں رہ رہا ہوں، زمیں سخت ہے آسماں دور ہے۔

مجھے دعوٰئے شاعری ہرگز نہیں، غزل کہنا اور سننا پسند ہے۔ "شامِ میکدہ" اور "تپشِ شوق" کا فنی تجزیہ میں نقاد حضرات پر چھوڑتا ہوں۔

کیتھل

بقول جناب برقؔ دہلوی آنجہانی

جب تک یہ جہاں مہر سے پُر نور رہے گا
میدان کوروکشیتر کا مشہور رہے گا

کوروکشیتر دُنیا کا عظیم اور مقدس مقام ہے اور کوروکشیتر کی عظیم و مقدّس ہستی پنڈت راجہ رام بھاردواج خلف پنڈت شنکرلال تھے، پنڈت راجہ رام ایک عالم، بیدار مغز، روشن خیال، ملنسار، بیباک و بے خوف اور بات کے دھنی تھے، کوروکشیتر سے متعلقہ اُن کی معلومات بے پناہ تھیں، اُن کا مقام کوروکشیتر میں انگوٹھی میں نگینہ کے مثل تھا، وہ کوروکشیتر کی سماجی و دھارمک زندگی کے محور تھے، صدیوں پرانی سنستھا پنچایت برہمنان کے صدر تھے، وہ ان گنے چنے لوگوں میں سے تھے جن کا سرکار، افسران اور عوام سب احترام کرتے تھے، وہ سالہا سال تک میونسپل کمیٹی کے ممبر اور ہندو سبھا کے صدر رہے، کوروکشیتر یونیورسٹی کے قیام میں اُن کا قابلِ تعریف نمایاں کردار رہے:۔

"شامِ میکدہ" اور "تپشِ شوق" کے مصنّف پنڈت بالکرشن مضطر اس عظیم و نادر ہستی کے اکلوتے لائق بیٹے ہیں، جناب مضطر میں بھی اپنے والد

بزرگوار کے تمام اوصاف بدرجہ اُتم موجود ہیں، نظم ونثر، تحریر وتقریر، ادارت وصدارت، حاضر جوابی، بذلہ سنجی، تیکھے اور چبھتے ہوئے مذاق، طنز ومزاح، غضب کا حافظہ، ہزاروں اشعار، تاریخی، مذہبی وسیاسی واقعات حفظ، عالموں اور بزرگوں کا احترام، صاف گوئی، ادب، سیاست اور مذہب کے وسیع مطالعہ میں مضطؔر صاحب کو ایک خاص مقام حاصل ہے، برطانوی سامراج کی قید وبند نے اُن کی طبیعت کو ایک اور جلا بخشی ہے، آچاریہ نریندر دیو، ڈاکٹر رام منوہر لوہیا اور جے پرکاش نارائن کی قربت نے اُن کو سنوارا ہے، جناب مضطؔر کی طبیعت میں صلاحیت ہے، خودداری کے ساتھ قوم ووطن کا درد ہے، جھکنے کی بجائے ٹوٹ جانا اُس کی فطرت ہے، خلوص دلی کے ساتھ اُن کے کلام میں ولولوں اور لِشاشیان کی کمی نہیں، تخیّل پا در ہوا نہیں اس میں زبان وفن کا کمال مضمر ہے، غزلیات میں زبان بازاری نہیں بلکہ ٹکسالی ہے، کلام کا ہر مصرعہ برجستہ ہے، ہر شعر فرمائے غنتہ ہے۔ زبان سلیس اور شگفتہ ہے، ملاحظہ ہو:۔

پیکرِ نور ہوں میں خاک کی تصویر نہیں
جس کو تخریب کا خدشہ ہو وہ تعمیر نہیں
سجدۂ دیر وحرم میں بھلا رکھا کیا ہے
دل کے بُت خانہ میں کیا آپ کی تصویر نہیں

آگے ایک غزل میں فرماتے ہیں :۔

کم نگاہی کا نام پردا ہے
ورنہ ہر نقش ایک جلوا ہے
سب نظر کا قصور ہے ساقی
کوئی پردا نہ کوئی جلوا ہے
ہم نے دیکھا ہے یہ بھی اے مضطر
وقت پر غیر کام آتا ہے

غزل کا ایک اور انداز ملاحظہ ہو :۔

عشق کی ناکامیوں نے کر دیا کامل مجھے
اب کوئی مشکل نظر آتی نہیں مشکل مجھے
اب کہیں جا کر دعاؤں میں اثر پیدا ہوا
ذرّہ ذرّہ میں نظر آتا ہے مرا دل مجھے

نفس میں روح میں دل میں سمائے جاتے ہیں
مجھے وہ اپنا سراپا بنائے جاتے ہیں
رہِ فنا میں کچھ ایسے مقام بھی تو ہیں
بغیر گائے جہاں گیت گائے جاتے ہیں
شبِ فراق یوں خوش ہو کے کاٹ دی ہم نے
وہ آ رہے ہیں ابھی آئے آئے جاتے ہیں

مضطرؔ صاحب کی غزلیات اُن کے احساس کے عمق پر شاہد ہیں، شعر میں جذبات پاکیزہ اور خیالات کی پرواز بلند ہے۔
مَیں صرف اُن کے کلام کے متعلق اتنا کہہ سکتا ہوں کہ:-
"ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد"

نرائن داس طالبؔ پانی پتی

ہمایوں

اُردو کا ادبی ماہنامہ

۲۳ لارنس روڈ
لاہور
۱۱ر فروری ۱۹۴۳ء

ایڈیٹر
میاں بشیر احمد بی۔اے (آکسن) بار ایٹ لا

"میں نے جناب بال کرشن مضطر کی نظم و نثر کا بہ غور مطالعہ کیا ہے، میری ناقدانہ رائے میں مضطؔر صاحب کے کلام میں بہترین ادبی صلاحیتیں و جدّتیں ہیں۔ اُن کا اندازِ بیان و طرزِ تحریر انوکھی اور اچھوتی ہیں، جنابِ مضطؔر کے قلم میں زور اور اثر ہے، نیز اُنہیں زبانِ اُردو پر مکمّل عبور حاصل ہے اُن کا کلام خود بہترین ہونے کا منہ بولتا شاہکار ہے۔"

یوسف ظفر
جائنٹ ایڈیٹر

نیو ٹاؤن شپ

فرید آباد

"میں نے پنڈت بال کرشن مضطرؔ کا کلام غور سے دیکھا
زبان صاف، مضمون اعلےٰ اور بندش بے عیب ہے، غزلیں
اچھی ہیں"۔

گوبند داس خموشؔ سرحدی

کرنال

جناب بال کرشن مضطرؔ سے میری ملاقات کرنال کے
ایک ادبی مشاعرہ میں ہوئی ۔ ایک نوجوان کلاسکی انداز میں شعر گنگنا کر
مشاعرہ لوٹے لے رہا تھا، سامعین اور احباب کو چونکا رہا تھا۔ ہلکے
پھلکے اشعار اور پیش کرنے کے ڈھنگ نے مشاعرہ میں جان ڈال دی،
اس ملاقات کے بعد آج دن تک وہ میرا دوست ہے۔ مگر اس کی
سیاسی اور ذاتی مصروفیات اس قدر گرم ہیں کہ اس کے پاس اب
دوستوں کے لئے کم وقت ہے، مضطرؔ صاحب جنگِ آزادی کے
مجاہد اور طلبا کے لیڈر رہے ہیں۔ وہ زندگی میں ایمانداری، نفاست،
ادب، رکھ رکھاؤ، شائستگی، خلوص اور نغمگی کا پرستار رہے، وہ
بہت پیارا دوست اور خطرناک دشمن ہے۔ وہ جانِ محفل ہے،
جہاں بیٹھ جاتا ہے پھر "وہ کہے اور سنا کرے کوئی" اس کے لطیفے،
چٹکلے لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ بطور تحفے لے جاتے ہیں، بلا
کے ذہین، مزاج میں آشفتگی، طبیعت میں آزادی، تخیّل میں رنگینی،
اور جذبات میں گرمی، تقریر میں برجستگی، یہی رنگ اس کے اشعار
میں جھلکتا ہے، خیالات کی بلندی اور وسعت، سنجیدگی اور معرفت

سے بھرپور ہے۔ زندگی کے تجربات اور وسیع ادبی مطالعہ کا نچوڑ اشعار میں سمویا ہوا ہے، معیارِ شعر اپنے مقام اور سطح سے کبھی نہیں گرا۔ "شامِ میکدہ" اور "تپشِ شوق" پنڈت بال کرشن مضطر کی غزلیات کے حسین مجموعے ہیں۔ جو نہ ترقی پسندانہ ہیں، نہ رجعت پسندانہ بس شاعرانہ ہیں۔ مضطر صاحب کی ہستی مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے اور ہر پہلو مکمل اور بھرپور ہے۔

موہن ورما
منیجر کرنال کلا سنگم



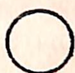
یہ ہلکی سی کسک دردِ جگر کی
نوازش ہے کسی مستِ نظر کی

فسانہ زندگی کا اس قدر ہے
تڑپ کر شام کی رو کر سحر کی

اُدھر ہونے لگی تیروں کی بارش
جدھر بھی آپ نے اپنی نظر کی

مہم تھی زندگانی بھی ہماری
بڑی مشکل سے یہ مہم سر کی

دوا ہے اپنی دردِ دل ہی مضطر
کریں کیوں منتیں ہم چارہ گر کی



جنوں کی چاک دامانی نہ پوچھو
شمع سوزاں کی عریانی نہ پوچھو

خجل ہیں انجم و شمس و قمر بھی
رُخِ تاباں کی تابانی نہ پوچھو

کرے گا آئینہ حل یہ معمّہ
مجھی سے میری حیرانی نہ پوچھو

بیاباں عکس ہے ہلکا سا اس کا
ہمارے گھر کی ویرانی نہ پوچھو

مجھے کہتا ہے چل بزمِ عدو میں
دلِ ناداں کی نادانی نہ پوچھو

حباب آسا ہے مضطرؔ اپنی ہستی
ثباتِ عالمِ فانی نہ پوچھو



تخیّل میں لانے کو جی چاہتا ہے
یہ پردہ اُٹھانے کو جی چاہتا ہے

بتا بے خودی نقش پا ہے یہ کس کا
جہاں دل جُھکانے کو جی چاہتا ہے

نہیں تاب نظارہ پھر بھی کسی سے
نگاہیں ملانے کو جی چاہتا ہے

قفس سے ہوا دل وہ مانوس اپنا
نشیمن جلانے کو جی چاہتا ہے

کسی شوخ کم سن کے حسن ادا پر
جوانی لُٹانے کو جی چاہتا ہے

نہ پوچھو میرا جوش وحشت کہ گھر کو
بیاباں بنانے کو جی چاہتا ہے

ذرا چھیڑ دے سازِ دل کو بھی مضطر
کہ سُننے سُنانے کو جی چاہتا ہے



کہتے ہو جس کو عالمِ امکاں یہی تو ہے
اے دل یہی ہے منزلِ جاناں یہی تو ہے
موسیٰ کو جس کی تاب سے بے خود بنا دیا
وہ جلوہ گاہ دیدۂ حیراں یہی تو ہے
ظالم نہ کر خیال ہیں آنے سے اجتناب
فرقت میں ایک جینے کا ساماں یہی تو ہے
دیوانے گھر کو چھوڑ کے جاتا ہے تو کہاں
آنکھیں اُٹھا کے دیکھ بیاباں یہی تو ہے
میں بھی تلاشِ یار میں کھو جاؤں ایک دن
اب جستجوئے تا حدِ امکاں یہی تو ہے
بخشی تھی بے خودی جو کبھی ہم کو عشق نے
مضطر ہماری صبحِ درخشاں یہی تو ہے



مدّت میں وہ آرامِ دل وجاں نظر آیا
خوش بختیٔ تقدیر کا ساماں نظر آیا
اے تیرِ فنا تیری عنایت کے تصدّق
اب دردہی اپنا مجھے درماں نظر آیا
کہتے ہیں وہ دامن سے مری خاک جھٹک کر
کم بخت تجھے میرا ہی داماں نظر آیا
مضطر ثباتِ حسرت وارماں نہ پوچھئے
وہ آئے تو پھر کوئی نہ ارماں نظر آیا



مری آہ و فغاں سے وہ پگھل جاتا تو کیا ہوتا
محبت ہی کا جادو اُس پہ چل جاتا تو کیا ہوتا

دلِ بے تاب مارا مجھ کو تیری بے قراری نے
شبِ فرقت اگر تو ہی سنبھل جاتا تو کیا ہوتا

رہا ثابت قدم سوزِ محبت میں یہ کیا کم ہے
دلِ آتش بداماں اُس میں جل جاتا تو کیا ہوتا

دمِ آخر غنیمت ہے کہ تم آ ہی گئے ورنہ
تمہارا آج کا آنا بھی ٹل جاتا تو کیا ہوتا

شبِ وعدہ مجھے محروم رکھا بیخودی تو نے
جو دل کے ساتھ ارماں بھی نکل جاتا تو کیا ہوتا

خدا کا شکر مضطر رہ گئے محفوظ تم ورنہ
بوقتِ امتحاں یہ دل مچل جاتا تو کیا ہوتا



فریبِ رنگ و بُو میں آ رہا ہوں
یہ دھوکا جان کر میں کھا رہا ہوں
تصوّر میں ہوں سرگرمِ تکلّم
شبِ غم دل کو یُوں بہلا رہا ہوں
مری ظلمت میں وہ تابانیاں ہیں
جمالِ طُور کو شرما رہا ہوں
فضائے دہر میں تحلیل ہو کر
جہاں کی وسعتوں پر چھا رہا ہوں
قنوط و یاس کی تاریکیوں میں
اُمیدوں کی شعاعیں پا رہا ہوں
مسلسل ہچکیاں شاہد ہیں مضطرؔ
یقیناً میں اُنہیں یاد آ رہا ہوں



غبارِ رہ گذرِ حسنِ یار باقی ہے
گئی بہار فریبِ بہار باقی ہے

یہ بار بار جو اُٹھتے ہیں ہاتھ وحشت میں
ضرور کوئی گریباں میں تار باقی ہے

نہ ڈوب میری تمنّا کے ماہتاب ابھی
ٹھہر ٹھہر کہ شبِ انتظار باقی ہے

اُٹھا اُٹھا ارے پائے طلب اُٹھا ناکام
ہنوز گردشِ لیل و نہار باقی ہے

کبھی جو پی تھی اے مضطرؔ شرابِ حسنِ ازل
اُسی کا روح میں اب تک خمار باقی ہے



روئے تاباں کو بے نقاب نہ کر
ذرّے ذرّے کو آفتاب نہ کر

اب ستم کو بھی میں ترستا ہوں
مجھ سے اتنا تو اجتناب نہ کر

میں گناہ گار ہوں کریم ہے تو
میرے عصیاں کا کچھ حساب نہ کر

ضبط سے کام لے دلِ مضطر
اُن کو رسوا مجھے خراب نہ کر



کرنی ہے زیرِ گردشِ ہفت آسماں مجھے
پینے دے بیٹھ کر یہاں پیرِ مغاں مجھے
رکھنے دے آبروئے دلِ رازداں مجھے
رہنے دے آج مائلِ ضبطِ فغاں مجھے

ہر ذرّہ راہِ عشق کا ہے نورٌ علیٰ نور
اے ذوقِ دید لیکے چلا ہے کہاں مجھے

اے قوتِ زبان و بیانِ الم مدد
کہنی ہے آج اُن سے بڑی داستاں مجھے

فکرِ مآلِ کار نہ دامن پکڑ مِرا
ہونے دے جذبِ جلوۂ حُسنِ بتاں مجھے

مضطرؔ ہنوز رہنے دے محوِ مشاہدات
کرنے ہیں آج رازِ دو عالم عیاں مجھے



گرنا دامن پہ مرے اشکوں کا
ڈوب جانا فلک پہ تاروں کا

جب سحر کی نمود ہوتی ہے
خون ہوتا ہے لاکھ تاروں کا

قطرہ قطرہ ہے داستانِ الم
کاش سمجھیں وہ راز اشکوں کا

ہیں سنارے کہ آہ کے شعلے
یا تبسم ہے تیرے جلوؤں کا

ہر قدم پر ہو اک جبینِ شوق
یہ تقاضا ہے میرے سجدوں کا

رفتگاں پہ تو اشک ہیں مضطرؔ
ذکر ہوتا نہیں ہے زندوں کا



عشق کی ناکامیوں نے کر دیا کامل مجھے
اب کوئی مشکل نظر آتی نہیں مشکل مجھے

بیخودیٔ شوق یوں لائی ہے منزل کے قریب
ہر قدم پر سامنے آئی نظر منزل مجھے

عشق کی مجبوریاں، محرومیاں، بے تابیاں
بڑھتے بڑھتے ہو گئیں جانِ قرارِ دل مجھے

اب کہیں میری دعاؤں میں اثر پیدا ہوا
ذرّہ ذرّہ بھی نظر آتا ہے میرا دل مجھے

اب بھی اے مضطرؔ زمانے کو ہے مجھ سے کچھ اُمید
دل کی بے تابی نے چھوڑا ہے کسی قابل مجھے؟



اک گنجِ معانی ہے یہ ذرّہ مرے آگے
اک بحرِ حقیقت ہے یہ قطرہ مرے آگے

جب تو ہی نہیں جانِ تمنّا مرے آگے
تاریک ہے تاریک یہ دنیا مرے آگے

ہے مری نظر محرمِ اسرارِ دو عالم
کیا حسن ہے کیا حسن کا پردہ مرے آگے

یہ کون سی منزل ہے محبّت کی الٰہی
قدموں میں جھکی حسن کی دنیا مرے آگے

ہر لمحہ قدم رکھتا ہوں اک منزلِ نو میں
ہر لحظہ ہے اک تازہ تماشہ مرے آگے

کوئی تو نشیمن میں مرے آگ لگا کر
بجلی کا اُڑا دے ذرا خاکہ مرے آگے



حیراں تجلیوں کو بناؤں گا ایک دن
یوں میں حریم ذات پہ چھاؤں گا ایک دن

ذوقِ نظر کا کیف دکھاؤں گا ایک دن
رُخ سے ترے حجاب اُٹھاؤں گا ایک دن

اے پیکرِ جمیل قسم جذب شوق کی
جلوؤں میں تیرے بڑھ کے سماؤں گا ایک دن

پھر سازِ دل کے آتشیں تاروں کو چھیڑ کر
رگ رگ میں اپنی آگ لگاؤں گا ایک دن

پھر بن کے موج بُوئے گُلِ نو بہار کی
ہر گُل کے پیرہن میں سماؤں گا ایک دن

مضطر خدا کو دیکھنے کا دل میں ہے خیال
جاؤں گا ایک دن وہاں جاؤں گا ایک دن



وہ مستِ ناز تصور میں جب بھی آتا ہے
شرابِ کیف میں ہر سانس ڈوب جاتا ہے

مژہ کی نوک پہ یُوں اشک تھرتھراتا ہے
ستارہ صبح کا جس طرح جھلملاتا ہے

چمن میں کس کے تبسم کا یہ اثر پھیلا
ہر ایک غنچہ ہر ایک پھُول مسکراتا ہے

چھُٹی وہ نبض، پھریں پُتلیاں، بندھی ہچکی
سنبھالیں آپ کہ دُنیا سے کوئی جاتا ہے

ترے شمیم نفس سے فضا مہکتی ہے
تری نظر سے گلوں پہ نکھار آتا ہے

عجیب بادۂ عرفاں کا کیف ہے مضطر
تمام عمر ہوئی تب خمار آتا ہے



خرمنِ دل پہ آج پھر بجلی گرا گیا کوئی
خرمنِ سکون و ضبط میں آگ لگا گیا کوئی

دیدۂ نیم باز سے، شعلۂ برق ناز سے
چشمِ زدن میں طور کو خاک بنا گیا کوئی

درد نہیں خلش نہیں سوز نہیں تپش نہیں
دل کی تمام کلفتیں آج مٹا گیا کوئی

سینے میں آج کل مرے جلووں کی کچھ کمی نہیں
پارۂ گل تھا دل مرا طور بنا گیا کوئی

مضطر مجھے فراق میں طعنۂ دل شکن نہ دو
ہوگا خفیف تو اگر ایسے میں آ گیا کوئی



نفس میں رُوح میں دل میں سمائے جاتے ہیں
مجھے وہ اپنا سراپا بنائے جاتے ہیں

جنونِ شوق کی سرگرمیاں معاذ اللہ
بنا بنا کے نشیمن جلائے جاتے ہیں

بہ کمالِ غم و اضطرابِ پیہم ہے
تڑپ رہے ہیں مگر مسکرائے جاتے ہیں

رہِ فنا میں کچھ ایسے مقام بھی تو ہیں
بغیر گائے جہاں گیت گائے جاتے ہیں

شبِ فراق یوں خوش ہو کے کاٹ دی ہم نے
وہ آ رہے ہیں ، ابھی آئے آئے جاتے ہیں

بہت ہی دُور ہے منزل تری مگر مضطر
ترے ابھی سے قدم ڈگمگائے جاتے ہیں



دے رہا ہے حسنِ اُمیدِ وفا دھوکا مجھے
ہو گیا ہے کچھ یقینِ وعدۂ فردا مجھے

اک جھلک میں ڈگمگا جاتا ہے میرا ہر قدم
گویا ساقی کی نظر ہے لرزشِ صہبا مجھے

ہو چلا تھا ہر نفس لذت کشِ بیگانگی
پھر دیا تیری نگاہِ لطف نے دھوکا مجھے

لے رہا ہے پھر جنونِ جستجو انگڑائیاں
پھر پڑے گا چھاننا عالم کا ہر ذرہ مجھے

یہ ہی اچھا ہے کہ وہ محوِ تغافل ہی رہیں
اب نگاہِ لطف کا مقدور نہیں یارا مجھے



ہوئی ہیں وجہ تسلّی دلِ تپاں کے لئے
جو بجلیاں ہیں نمودِ فنا جہاں کے لئے

بہار دیدہ چمن کو خزاں کا خوف ہے کیوں
خزاں چمن کے لئے ہے چمن خزاں کے لئے

ہوا نہ قربِ گُلِ نوبہار کا حاصل
تمام عمر چُنے خارِ آشیاں کے لئے

دُعائیں مانگ رہا ہوں فراقِ پیہم کی
نشاطِ درد کی خاطر غمِ نہاں کے لئے

خُدا کے واسطے اے ضبطِ دل نہ روک اسے
کہ بے قرار ہے کب سے اثر فغاں کے لئے

ڈریں نہ برق کی چشمک زنی سے اہلِ چمن
نہیں ہیں آگ کے شعلے ہر آشیاں کے لئے

کہاں وہ غالبِ معجز بیاں کہاں مضطر
کہاں سے لاؤں میں وسعت بھلا بیاں کے لئے



گھر بیاباں نہ سہی چاک گریباں ہوتا
کچھ تو تسکینِ جنوں کا کوئی ساماں ہوتا

نگہِ شوق سے تو نے اِسے دیکھا ہی نہیں
حُسن خود دوئی کے پردے سے نمایاں ہوتا

یہ تو اندازِ جنوں کی مرے رسوائی ہے
کاش باقی نہ کوئی تارِ گریباں ہوتا

دیکھتے اور ابھی خونِ تمنّا کا اثر
گر یہی درد کا درماں تھا نہ درماں ہوتا

مری رگ رگ میں ہی یہ دوڑتا پھرتا مضطر
درد شریانوں میں جو خوں کا نگہباں ہوتا



دعاؤں کا اثر اُلٹا ہوا ہے
وہ ہم سے اور کھنچتا جا رہا ہے

یہ منزل کون سی ہے عاشقی کی
کہ دل ہی بے نیازِ مدعا ہے

شبِ غم میں یہ مرگِ ناگہانی
اگر آ جائے تو رونا ہی کیا ہے

دوائے دردِ دل ہوگی کہاں سے
کہ دردِ دل ہی خود اپنی دوا ہے

فریبِ رنگ و بو میں آنے والے
ترے ادراک کو کیا ہو گیا ہے



نیاز مند کو پابندِ ناز رہنے دے
کہ غزنوی کو غلامِ ایاز رہنے دے

مجاز اپنی جگہ مظہرِ حقیقت ہے
مجھے اسیرِ فریبِ مجاز رہنے دے

مرے تصوّرِ کامل سے برہمی کیسی؟
یہ اجتناب تغافل نواز رہنے دے

نگاہِ شوق پہ جلوہ طراز یاں تو یہ
حجابِ حُسن کا کچھ امتیاز رہنے دے

اِسی میں جلوۂ حقیقت کو دیکھتا ہوں مَیں
مجھے اسیرِ جمالِ مجاز رہنے دے

خراب ہو نہ کہیں میرے سوز کی دُنیا
نگاہِ لطف ذرا چارہ ساز رہنے دے

ترے کرم کے سہارے پہ جی رہا ہوں مَیں
تُو اپنے دستِ کرم کو دراز رہنے دے



مَیں کیا حریمِ ناز سے ناکام آگیا
اے حُسنِ دوست تجھ پہ بھی الزام آگیا
ہم ہو چلے تھے مُنکرِ عشق و طلب مگر
وہ تو کہو کہ عہدِ وفا کام آگیا
میری طرف نگاہِ کرم اَور بار بار
تجھ کو خیالِ حسرتِ ناکام آگیا؟
بے چارگیٔ خاطرِ صیاد دیکھ کر
بے اختیار میں ہی تہِ دام آگیا
لو وہ گرے ہیں ٹوٹ کے تارے فضاؤں میں
لو وہ پلٹ کے نالۂ ناکام آگیا
خاموش چارہ ساز ہَیں، احباب دم بخود
یہ کون سا مقامِ دِلآرام آگیا
ہونے کو جذبِ دل بھی ہے سوزِ جگر بھی ہے
اپنا وہی ہے وقت پہ جو کام آگیا
خمخانۂ خیال کی مضطرؔ نہ پُوچھیے
آیا اِدھر خیال اُدھر جام آگیا



دل و جگر کو کسی پر نثار ہونے دے
بہارِ دیدۂ خوننابہ بار ہونے دے
ہزار بار میں تکمیلِ زندگی کر لوں
کہیں جو عہدِ وفا کامگار ہونے دے
جمالِ طور کو حیرت کا سامنا ہوگا
نفس نفس کو مرے شعلہ بار ہونے دے
ہر ایک ذرّے کو تنویر بخشنے والے
مری نظر کو بھی آئینہ دار ہونے دے
کسے نصیب یہ کیفِ نشاطِ ناکامی
نظر کو وقفِ غمِ انتظار ہونے دے
نہ چھیڑ ماتمِ اندیشۂ خزاں مضطر
مجھے تو صرف نشاطِ بہار ہونے دے



ہم ہیں اور ناکامیٔ سوزِ نہانی کے مزے
کسی کو حاصل ہیں نشاطِ جاودانی کے مزے

کھیلتا ہوں گرچہ برقِ طور کے آغوش میں
ہیں کہاں وہ ربِّ ارنی لن ترانی کے مزے

حسرتیں خاموشیوں میں جذب ہو کر رہ گئیں
ہائے بزمِ ناز میں وہ بے زبانی کے مزے

صورتِ خوابِ پریشاں سب ہیں بے نام و نشاں
نوجوانی کے مزے، وہ زندگانی کے مزے

وہ بنا کر آشیاں کو پھونکتا پیہم مرا
برقِ مضطر سے وہ اکثر چھیڑ خانی کے مزے

زندگی غم سے عبارت ہی سہی مضطرؔ مگر
ہیں اسی غم میں نشاطِ کامرانی کے مزے



رسمِ وفا و عشق کو رسوا نہ کیجئے
بہتر یہی ہے عرضِ تمنّا نہ کیجئے

حسنِ نظر کو صرفِ تماشا نہ کیجئے
پھر انتظامِ حیرتِ دُنیا نہ کیجئے

یوں ایک گردشِ نگہِ مست کے لئے
مجھ کو خرابِ ساغر و مینا نہ کیجئے

ساکن نظر ہے، نبض ہے گم، بند ہے زباں
ایسے میں آپ کوئی مداوا نہ کیجئے

مضطرؔ ہنوز حُسن کی دُنیا ہے بے شعور
ہرگز غرورِ حُسن کو رسوا نہ کیجئے



حُسن پابندِ تغافل کی تمنا کیوں کروں
تلخیٔ محرومیٔ پیہم گوارا کیوں کروں

دردِ تسکینِ وفا ہے، غم نشاطِ آرزُو
اب شکایت کیا کروں آخر تقاضا کیوں کروں

ہر نفس اک تازہ کیفِ زندگی پاتا ہوں میں
شامِ فرقت ماتمِ خونِ تمنّا کیوں کروں

مَیں وُہی ہوں، تو وُہی ہے، تجھ میں مَیں ہوں مُجھ میں تُو
ایسی صورت میں بھلا تیری تمنّا کیوں کروں

کیا کہا تُو نے خدا، جنّت مجھے مل جائے گی
بندگی میں اِتنا سستا تجھ سے سودا کیوں کروں

تیرے جلوے مری صورت سے ہویدا ہیں تمام
بے سبب پھر یہ دُوئی کا چاک پیدا کیوں کروں

آج مضطر رہبروں پر ہے خیالِ رہزنی
رہبروں پر آج کل آخر بھروسا کیوں کروں



نظر آتی ہے دُنیا کچھ نہ کچھ بدلی ہوئی اپنی
کہ پھر انگڑائیاں لینے لگی ہے بے خودی اپنی

زمانے میں نشاطِ خود فراموشی کا چرچا ہے
بالآخر رنگ لاکر ہی رہی یہ بے خودی اپنی

بہاریں آج کل ہیں رقص فرما صحنِ گلشن میں
کہ پھر دیوانگی ہونے کو ہے فرزانگی اپنی

حدودِ ہوش سے آگے کوئی منزل نہیں ہوتی
سمٹ کر رہ گئی جلووں میں تیرے بے خودی اپنی

مجھے جھک جھک کے سجدے کر رہے ہیں دو جہاں مضطر
سراسر فائزِ کونین ہے یہ بے خودی اپنی



حدودِ ہوش سے آگے قدم بڑھا نہ سکا
جہاں کو منظرِ حیرت کبھی دکھا نہ سکا
شہود و غیب کی گہرائیوں کو پا نہ سکا
وہ دل جو بارِ خیال و نظر اُٹھا نہ سکا
نیاز و ناز کے پردے کبھی اُٹھا نہ سکا
کمالِ حسنِ نظر کو میں آزما نہ سکا
بجا بجا کہ میں تابِ جمال لا نہ سکا
تری نظر سے نظر آج تک ملا نہ سکا
میں اُن کے سامنے خود اپنی جان دے کر بھی
حیات و موت کو باہم کبھی ملا نہ سکا
جنونِ عشق کی مجبوریاں معاذاللہ
خلافِ حسن قدم آج تک اُٹھا نہ سکا

ہزار جذبِ محبت میں انقلاب آئے
فریبِ ذوقِ تمنا میں فرق آ نہ سکا
وہ دل جو آنکھ سے ٹپکا نہیں لہو ہو کر
فنا نصیب تھا رازِ حیات پا نہ سکا
ہزار پیشِ محبت میں انقلاب آئے
ہمارے جذبۂ کامل میں فرق آ نہ سکا
خرد کی بات ہے کچھ اور ہی مگر مضطرؔ
کوئی بھی دہر میں رازِ جنوں چھپا نہ سکا



نظر بہکی ہوئی دل محوِ نوشا نوش ہے ساقی
ترے جلووں کے نظاروں کا کس کو ہوش ہے ساقی

کرے کیا بیخودی میں امتیازِ این و آں کوئی
کہ ہر صورت طلسمِ اعتبارِ ہوش ہے ساقی

مرا دستِ جنوں اُلجھا نقابِ حُسنِ کامل سے
مری دیوانگی بھی رُوکشِ صد ہوش ہے ساقی

تری محفل میں کیوں خاموشیٔ مضطر کا چرچا ہے
ہر اک اہلِ محبّت دہر میں خاموش ہے ساقی



نقصِ خیال و فکر کے پردے اُٹھا کے پی
پھر بے خودی کو ہوش کا حاصل بنا کے پی
تابِ تجلّیات سے آنکھیں ملا کے پی
دَیر و حرم کا نقشِ تقدّس مٹا کے پی
میخانۂ حیات میں ہے رقصِ موجِ مے
جامِ نگاہِ ناز کو گردش میں لا کے پی
تُو ہی ہے آج ساقیِ بزمِ شام مے کدہ
اہلِ سخن کو بزم میں مضطرؔ پلا کے پی



جلوؤں نے طُورِ موسئِ عمراں بنا دیا
اُور مُسکراہٹوں نے گلستاں بنا دیا

وہ کام جس کو حُسن بھی آساں نہ کر سکے
دشواریوں نے عشق کی آساں بنا دیا

شرمندۂ بہار نہیں شورشِ جنوں
جب دل میں آئی جیب کو داماں بنا دیا

انجام کارکشمکشِ انتظار نے
شامِ الم کو صبحِ درخشاں بنا دیا

یہ کس نے مسکرا کے اُٹھائی نقابِ حُسن
یہ کس نے بزمِ فکر کو حیراں بنا دیا

احساسِ تنگئِ دلِ وحشت نواز نے
ہر ذرّۂ جہاں کو بیاباں بنا دیا



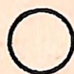
طلسمِ رنگ و بُو ذوقِ نظر کا مُدعا کیوں ہو
یہی منزل فریبِ جستجُو کی انتہا کیوں ہو

مجھے جب سوزِ ضبطِ گریۂ پیہم گوارا ہے
تو خُوں ہو کر مرا دل داغِ دامانِ وفا کیوں ہو

تجھے ہر حال میں ظرفِ جنوں کو آزما نا ہے
فریبِ ہر نفس ہو کر نظر سے ماورا کیوں ہو

خدا رکھے غمِ ناکامیٔ پیہم کی لذّت کو
بہ عالم ہو تو پھر احساسِ خُونِ مدعا کیوں ہو

جب اُلفت نام ہے مضطرؔ مکمّل نامرادی کا
تو کوئی بو الہوس پھر کامیابِ مُدعا کیوں ہو



کرشمہ سازیٔ خونِ وفا ہے
کوئی شرمندۂ مشقِ جفا ہے

تماشہ اے فریبِ عشق کیا ہے؟
گماں ہوتا ہے کوئی آگیا ہے

خفا ہے ناخدا تو موج اُس کی
نہ ڈوب اے دل کہ اپنا بھی خدا ہے

دلِ ناکام سے پوچھے یہ کوئی
شکستِ آرزو میں کیا مزا ہے

عیادت کو وہ آپہنچے ہیں لیکن
مریضِ ہجر میں اب کیا رہا ہے

یہ سب ہیں دیدۂ دل کے کرشمے
کہ ہر ذرّہ میں وہ جلوہ نما ہے

خرابِ انقلاباتِ مسلسل
یہ دُنیا ہے کہ مضطرؔ غم کدا ہے



فرطِ ناکامی سے جب دادِ وفا دیتا ہوں مَیں
خندہ زن ہوتے ہیں غنچے مسکرا دیتا ہوں مَیں

اس میں تجھ پر حرف کیا آتا ہے اے ضبطِ الم
دردِ دل کو جب تڑپ کر دل بنا دیتا ہوں مَیں

اب اسے دیوانگی کہیئے کہ حسنِ بندگی
کھینچ کر نقشِ حسیں سر کو جھکا دیتا ہوں مَیں

واہ رے وحشت کہ اک مدت سے فرشِ خاک پر
نقشِ عالم کھینچتا ہوں اور مٹا دیتا ہوں مَیں

میری نظروں میں ہے پھر تنہائیِ شامِ فراق
شعلۂ فرقت کو اے مضطر ہوا دیتا ہوں مَیں



جفاؤں پہ وفا کرتا رہا ہوں
خطاؤں پر خطا کرتا رہا ہوں

سرِ محفل شکایاتِ محبت
خلافِ مدعا کرتا رہا ہوں

کہاں سجدے کہاں میں بیخودی میں
طوافِ نقشِ پا کرتا رہا ہوں

دمِ آخر نہ پوچھو آپ مجھ سے
میں ساری عمر کیا کرتا رہا ہوں

نہ تھا معلوم مضطرؔ میرے دل کو
کہ میں جرمِ وفا کرتا رہا ہوں



اب کیا کروں گا لے کے اس دورانِ سر کو مَیں
ڈھونڈوں گا دشت میں کہاں دیوار و در کو مَیں

فرقت کی رات تیرے تصوّر میں کٹ گئی
اُکسا رہا ہوں اور چراغِ سحر کو مَیں

صد دولتِ کونین ہے یہ اشکِ گہر بار
جس کے عوض نہ لُوں ترے لعل و گہر کو مَیں

اب انتہائے شوق یہی ہے کہ تجھ سے دُور
دیکھوں ہزار بار تری رہ گذر کو مَیں

بُت ہو کہ ہو خدا مجھے دونوں سے کیا غرض
سب کُچھ سمجھ رہا ہُوں ترے سنگِ در کو مَیں

تیرا کمالِ حُسن یہی ہے فریب دے
دیکھوں گا آج تیری فریبِ نظر کو مَیں

گم گُشتگی کے لُطف میں ہے رازِ جُستجُو
طے رازِ جُستجُو سے کروں گا سفر کو مَیں

اُس کی طلب میں موت بھی مضطر محال ہے
لاؤں کہاں سے جا کے دعائے اثر کو مَیں



ہر ایک کلی کو پھول بناتی چلی گئی
بادِ سحر چمن کو کھلاتی چلی گئی

دیوانگی میں سوزِ محبت کی اک جھلک
ذروں کو مہر و ماہ بناتی چلی گئی

کچھ تو جنوں کی نذر ہوا عاشقوں کا خون
کچھ اُن کی تیغ ناز بہاتی چلی گئی

یہ طرفہ معجزہ ہے تری چشم مست کا
مجھ کو مٹا مٹا کے بناتی چلی گئی

یوں آستانِ یار پہ مری جبیں جھکی
کعبہ کی مشکلات بڑھاتی چلی گئی

حُبِّ وطن کی موت باندازِ ارتقا
طوفانِ صد حیات اُٹھاتی چلی گئی

مضطرؔ بلا کی گرمیٔ تابِ جمالِ دوست
دل میں جگر میں آگ لگاتی چلی گئی



قلب و نظر کو میرے جو روشنی نہ ملتی
تو مہر و ماہ کو شاید تابندگی نہ ملتی

وہ کیف اضطراب پیہم کہاں سے لاؤں
اے کاش میرے دل کو تسکین ہی نہ ملتی

دل میرا راہبر تھا میں دل کا راہبر تھا
ورنہ مجھے بھی تیری منزل کبھی نہ ملتی

اُن کی سبک خرامی پھر گل کتر گئی ہے
ورنہ چمن میں اب تک ڈھونڈے کلی نہ ملتی

معصومیت جو تیری ہوتی نہ کار فرما
تو منہ بندھی کلی میں پاکیزگی نہ ملتی

انجام کو سمجھ کر خاموش ہو گیا ہوں
ورنہ چمن کو مضطر یہ تازگی نہ ملتی



نشیمن ماورائے سرحدِ وہم و گماں چن لیں
کوئی مرکز خلاف مرکزِ کون و مکاں چن لیں
کہاں تک سر جھکائے کوئی ظلماتِ تصوّر میں
ذرا ہم بھی جبینِ شوق کوئی آستاں چن لیں
تری دنیا کی وسعت تنگ ہے فکر و تخیّل پر
اجازت ہو تو حدِ لامکاں میں ہی مکاں چن لیں
کسی دن سازِ دل خاموش ہو جائے گا اے مضطر
مگر پھر بھی یہ بہتر ہے کہ کوئی راز داں چن لیں



حدِ شعور سے پرے دن ہے نہ کوئی رات ہے
دل ہے نگاہِ شوق ہے طوفِ حریمِ ذات ہے
بزمِ تصورات ہے عالمِ کائنات ہے
ہوش کہ اے نگاہِ شوق اذنِ مشاہدات ہے
حسنِ جنوں کی بات ہے عشق کی واردات ہے
سمجھی نہ آج تک نظر دل کی تو اور بات ہے
فطرت خلافِ ہر ادا محوِ تکلفات ہے
جس کو بھی دیکھتا ہوں میں مرکزِ التفات ہے
فرصتِ یک نگاہ دے تیرے نثار بے خودی
ہوش کی انجمن میں آج رقصِ تجلیات ہے
تو ہی نہیں ہے آشنا ورنہ جہانِ زار میں
موت بھی تیرے ہات ہے زیست بھی تیرے ہات ہے
حسرتِ بندگی جو دی فرصتِ بندگی بھی دے
میری ہر ایک سانس اب صرفِ تعلقات ہے



وقفِ غمِ آلام سہی ہم
صرفِ پگاہ و شام سہی ہم
تھک کر ہمت ہار چکے ہیں
منزل سے دو گام سہی ہم
صبح نہیں ہے جس کا مقدر
ایسی رات کی شام سہی ہم
خودداری پھر خودداری ہے
مضطر تشنہ کام سہی ہم



بسر کی ہم نے کیوں کر یہ نہ پوچھو زندگی اپنی
کہ ساری عمر طوفانِ حوادث میں کٹی اپنی

جہانِ آرزو میں انقلابات آتے رہے برسوں
نہ بدلی ہے نہ بدلے گی ادائے زندگی اپنی

بہت اچھا ہوا وہ بھی نکل آئے ہیں خلوت سے
بس اسے دل اب مکمّل ہوگئی دیوانگی اپنی

اگر اُن کا کرم بھی شاملِ تقدیر ہو جاتا
تو ساحل تک پہنچ جاتی یہ کشتی ڈوبتی اپنی

ہیں کہنے کو تو کہہ دوں اُن سے رُودادِ الم لیکن
کرم کی ملتجی کیوں ہو کسی سے بے کسی اپنی

کڈھب راہیں، اندھیری شب، نظر مایوس دل مضطر
خدا جانے کہاں تک دُور ہے منزل ابھی اپنی



حدِ نگاہِ ناز میں آئے ہوئے تو ہیں
میخانۂ حیات پہ چھائے ہوئے تو ہیں
آنسو ڈھلک کے آنکھ میں آئے ہوئے تو ہیں
خونِ گشتہ دل کا راز لٹائے ہوئے تو ہیں
سجدے جبینِ شوق میں پھر کیوں ہیں بیقرار
اُس آستاں پہ سر کو جھکائے ہوئے تو ہیں
اب اس سے بڑھ کے اور عبادت کریں تو کیا
ہر نقشِ ماسوا کو مٹائے ہوئے تو ہیں
خاشاک و خس میں بجلیوں کے طور کیوں نہیں
ہم آشیاں چمن میں بنائے ہوئے تو ہیں
مضطرؔ بلا سے ہم جو نہیں ہیں حسیں مگر
آخر کسی حسین کے ستائے ہوئے تو ہیں



ہر ہر نفس کو شعلۂ بداماں بنائیے
برقِ فرازِ طور کو حیراں بنائیے
پھر مسکرا کے چہرہ سے پردہ اٹھائیے
پھر کائناتِ دل کو چراغاں بنائیے
لمحاتِ انتظار پہ اس طرح چھائیے
شامِ الم کو صبحِ درخشاں بنائیے
بس ایک جنبشِ نگۂ التفات سے
محرومیوں کو خوابِ پریشاں بنائیے
مضطرؔ ہر ایک چیز پہ اس طرح چھائیے
خود کو حریفِ جلوۂ جاناں بنائیے



تنویرِ آفتاب میں حسنِ قمر میں ہے
وہ جلوہ بار پردۂ شام و سحر میں ہے

اک آہِ نا تمام مری چشمِ تر میں ہے
اے ضبط دیکھنا کہ ابھی گھر کی گھر میں ہے

ہر ذرّہ مست مست ہے ہر شے حسیں حسیں
تری نظر کا کیف ابھی تک نظر میں ہے

شامِ الم گئی تو کہاں یہ سکونِ دل
مرگِ نشاطِ دردِ طلوعِ سحر میں ہے

ہے عارضِ جمیل پہ ہلکا سا عکسِ زلف
یا تیرگیٔ شام کا سایہ سحر میں ہے

ظالم اُمید و بیم پہ اُس کی نگاہ کر
مانندِ نقشِ پا جو تری رہگذر میں ہے

پاسِ حجاب اصلِ عبادت ہے اے جنوں
مضطر حیاتِ شوق شکستِ نظر میں ہے



میں وقفِ سوزِ غم تو مستِ موجِ شادمانی ہے
مری یہ زندگانی ہے تری وہ زندگانی ہے

فقط برقِ جمالِ طور کی یہ مہربانی ہے
نہ ہوشِ دیدِ موسیٰ کو نہ جوشِ لنترانی ہے

ابھی سے اشک کیوں اُمڈے چلے آتے ہیں آنکھوں میں
ابھی تو ابتدائے قصۂ دردِ نہانی ہے

ٹپک جائے نہ یہ قطرہ بھی یارب دیدۂ تر سے
دلِ خوں گشتہ کی لے دے کے یہی اک نشانی ہے

ہر ایک تخریب میں مضمر ہے اک تعمیر کا پہلو
دلِ محزوں کی بربادی پیامِ شادمانی ہے

یہ نازک سی کسک جو قلب میں اُٹھتی ہے رہ رہ کر
کسی کم سن کے اندازِ نظر کی مہربانی ہے

سنبھل کر پیر رکھنا منزلِ عشق و محبت میں
کہ اس منزل کی مضطر ہم نے برسوں خاک چھانی ہے



لو کسی کا خیال ہوتا ہے
زخم کا اندمال ہوتا ہے

میرا ہر ہر نفس تخیّل میں
غرقِ بحرِ جمال ہوتا ہے

کب ہمیں آپ یاد کرتے ہیں
کب ہمارا خیال ہوتا ہے

تیری فرقت کا ہر نفس مجھ کو
آہ ایک ایک سال ہوتا ہے

لینا لینا کہ وہ گری بجلی
آشیاں پائمال ہوتا ہے

باربابِ جمال اے مضطرؔ
سائل بے سوال ہوتا ہے



جتنی تکمیلِ جنونِ عاشقی ہوتی رہی
بے نیازِ مدعا دل بستگی ہوتی رہی

جب کبھی بہکے تو سجدہ کر لیا ورنہ یونہی
بے نیازِ بندگی دیوانگی ہوتی رہی

نت نیا تازہ نشیمن نت نئی شعلہ گری
عمر بھر یوں برق سے چشمک زنی ہوتی رہی

لطف سا آتا رہا دل کے تڑپنے میں مجھے
بے قراری بھی قرارِ زندگی ہوتی رہی

شرم آلودہ رہی جب تک نگاہِ شرمگیں
زیست میں محسوس اک گونہ کمی ہوتی رہی

ایک وہ منزل بھی تھی مضطرؔ جہانِ عشق میں
بے کسی جانِ قرارِ زندگی ہوتی رہی



حریفِ راحتِ ذوقِ نظر دل ہوتا جاتا ہے
اثر اندازشاید قربِ منزل ہوتا جاتا ہے

جنونِ وحشت پیمائی کا حاصل ہوتا جاتا ہے
نظر پڑتی ہے جس ذرّے پہ منزل ہوتا جاتا ہے

تبسّم اک تبسّم پھر کسی کی بے نیازی پر
غمِ دل ضبطِ غم دونوں کا حاصل ہوتا جاتا ہے

نظر کو ہر نفس غرقِ تحیّر دیکھتا ہوں میں
سفر اب دور تر منزل بہ منزل ہوتا جاتا ہے

یہ آسودہ نگاہی بخشنے والے نے ہی بخشی
ہر اک ذرّہ جوابِ حسنِ کامل ہوتا جاتا ہے

تحیّر بڑھتا جاتا ہے حجابات اُٹھتے جاتے ہیں
تماشہ طرفہ تر منزل بہ منزل ہوتا جاتا ہے

یہی ہے کیا وہ جذبِ آستانِ ناز اے مضطرؔ
کہ ہر نقشِ قدم سجدہ گہہ دل ہوتا جاتا ہے



سُن اے دلِ سحر طلب آہ تجھے خبر نہیں
عشق کی کائنات میں شام تو ہے سحر نہیں

جلوۂ طور سُو بہ سُو، حسنِ ازل ہے کُو بہ کُو
چشمِ کلیم ہی سہی تیری نظر نظر نہیں

ہوش سے بے نیاز رہ اس کے حریمِ ناز میں
یہ وہ مقام ہے جہاں ہوش کا کچھ گزر نہیں

تیرا مِرا وجود ایک تیری مری نمود ایک
پھر بھی تری تلاش کیوں اسکی مجھے خبر نہیں

کانپ رہا ہے باغباں دیکھ کے میرا آشیاں
تنکوں سے کیوں کوئی ڈرے برق نہیں شرر نہیں

مضطرِ نمازِ عشق میں چاہیئے بیخودی امام
اس کے بغیر حسن کی ملتی تجھے خبر نہیں

پھر مدِّ نظر جوشِ نمو ہے گلِ تر ہے
دل خندہ زنِ جرأتِ اندازِ نظر ہے

جو نقش ہے کونین کا مسجودِ نظر ہے
جُز عشقِ جنون ساز کسے یہ کس کو خبر ہے

ہاں میری نظر تھی کبھی پابندِ تجلّیٰ
اب تیری تجلّیٰ ہے کہ پابندِ نظر ہے

وہ کہتے ہیں تنویرِ جہانتاب ہی میں ہوں
مَیں کہتا ہوں جو کچھ ہے مرا حُسنِ نظر ہے

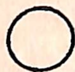
ہو جائے اگر ربط بہم دیدہ و دِل میں
وہ جلوہ نظر آئے جو مقصودِ نظر ہے

نیار ہے اندیشۂ لغزش کے لئے دل
آمادۂ تردید خرد تاب نظر ہے

چھا جاؤ پھر اک بار مری شامِ الم پر
پھر دل کو مرے حسرتِ تجدیدِ سحر ہے

اس کشمکشِ زندگی و موت سے حاصل
کیا سچ ہے کہ یہ مقصدِ تخلیق بشر ہے

مضطر سے حالِ خلوت و جلوت نہ پوچھیئے
یہ خامئ ادراک ہے وہ نقصِ نظر ہے



بے خودی بھی شاملِ وارفتگی ہونے لگی
زندگی با وصفِ کلفت بندگی ہونے لگی

دردِ دل میں رفتہ رفتہ کچھ کمی ہونے لگی
زندگی آخر جمودِ بے حسی ہونے لگی

دردِ ناکامی کی تلخی بھی حلاوت بخش ہے
ہر تڑپ دل کی قرارِ زندگی ہونے لگی

پھر تصور میں ادائے حسن کی ہے دل کشی
پھر نئے انداز سے صورت گری ہونے لگی

بعد مدت پھر یقینِ مرگ کیوں آنے لگا
زندگی شاید فریبِ زندگی ہونے لگی

کچھ دھندلکا سا سحر کا اب نظر آنے لگا
دل میں مدھم سی مگر کچھ روشنی ہونے لگی

کچھ ہوا تو ہے اثر مضطرؔ جنونِ عشق کا
پھر اُنہیں محسوس اپنی بے رُخی ہونے لگی



شکستِ آرزو منظور کیوں ہو
محبّت اس قدر مجبور کیوں ہو
انہیں پاسِ دلِ رنجور کیوں ہو
محبّت میں کوئی مسرور کیوں ہو
نگاہِ حسن جو تجویز کر دے
محبّت کا وہی دستور کیوں ہو
مذاقِ بادہ پیمائی اے مضطر
ہمارا مے کدہ محصور کیوں ہو



وجہ تسکین ہو بے کلی شاید
کام آجائے درد ہی شاید

دل پریشاں سکوں پذیر نظر
ہے جنوں میں ابھی کمی شاید

دھڑکنیں دل کی تیز تر ہیں کیوں
منزلِ دوست آگئی شاید

دردِ اصلِ حیات کیا معنیٰ
دل کو ہے پاسِ بیکلی شاید

حاصلِ زندگی ہے موت غلط
حاصلِ موت زندگی ؟ شاید

ڈوبی جاتی ہے نبض کیوں مضطر
رُخ بدلتی ہے زندگی شاید

